غدار پاکستان

ڈاکٹر عبدالقدیر کے خلاف قادیانی سازش

یونس خلش

محترم ابن نظام نے چٹان کے ۱۳ جنوری ۱۹۸۶ء کے شمارے میں انکشاف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ڈاکٹر عبدالسلام کو سائنس فاؤنڈیشن قائم کرنے کے لیے اسلامی کانفرنس نے ۵ کروڑ ڈالر کی منظوری دی ہے' جبکہ ڈاکٹر عبدالسلام نے اسلامی کانفرنس سے ایک ارب ڈالر کا تقاضا کیا تھا۔ ڈاکٹر عبدالسلام نے ٹرسٹی اٹلی میں نظریات طبیعات کا بین الاقوامی مرکز قائم کیا ہے' جس کے وہ ڈائریکٹر ہیں۔ اس مرکز کو بین الاقوامی ایٹمی ادارے "یونیسکو" کا تعاون بھی حاصل ہے۔ ڈاکٹر عبدالسلام کے بقول یہ غیر سیاسی ادارہ ہوگا اور اسے مسلم ممالک کے سائنس دان چلائیں گے۔

ڈاکٹر عبدالسلام نے سائنس فاؤنڈیشن کے بارے میں یہ گمراہ کن تاثر دینے کی کوشش کی کہ جیسے اس ادارے کی پالیسی اور ورکنگ ان کے مشوروں کی مرہون منت ہے' اسلامک سائنس فاؤنڈیشن کے ڈائریکٹر جنرل جناب احمد قطانی (مراکش) بڑے زیرک اور محب اسلام ایٹمی سائنس دان ہیں۔ انہوں نے ڈاکٹر عبدالسلام کی چرب زبانی کا بھانڈا بیچ چوراہے میں پھوڑ دیا اور ان کے ہتھکنڈوں میں آنے سے صاف انکار کر دیا۔ ڈاکٹر عبدالسلام آج کل اسی نوع کا تاثر کویت میں دے رہے ہیں۔ کویت میں موصوف کی حیثیت اقوام متحدہ کے ایک نمائندے کی ہے' جس پر حکومت کویت کا کوئی کنٹرول نہیں ہے۔ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ قادیانی گماشتہ کس عیاری سے اسلامی ممالک کے ایٹمی اداروں میں نقب لگا رہا ہے ۔ اسلامک سائنس فاؤنڈیشن جدہ میں واقع ہے۔ سعودی عرب کے بارے میں مشہور ہے کہ کوئی قادیانی وہاں پر نہیں مار سکتا' مگر ڈاکٹر عبدالسلام کے وہاں آنے جانے پر

کوئی پابندی نہیں۔ وہ پوری یکسوئی اور اعتماد کے ساتھ جدہ میں تمام اسلامی ممالک کے ایٹمی پروگراموں پر نگاہ رکھے ہوئے ہے۔ اندازہ لگایئے کہ قادیانی کس قیامت کی چال چلتے ہیں اور سادہ لوح مسلمان کتنے وثوق سے فریب کا شکار ہو رہے ہیں۔

ڈاکٹر عبدالسلام کس پایہ کے سائنس دان ہیں اور انہیں نوبل پرائز کس تحقیق کے صلہ میں ملا' انہوں نے عالمی انعام حاصل کرنے کے بعد پاکستان کی کیا خدمات سرانجام دیں؟--- یہ معمہ بھی کھل چکا ہے۔ پاکستان کے ایک مایہ ناز ایٹمی سائنس دان نے انکشاف کیا تھا کہ یہودیوں نے آئن شائن کی صد سالہ برسی کے موقع پر فیصلہ کیا تھا کہ نوبل پرائز اپنی لابی میں جانا چاہیے' چنانچہ قرعہ فال ڈاکٹر عبدالسلام کے نام نکلا۔ یوں ڈاکٹر عبدالسلام نوبل انعام یافتہ ہوئے' وگرنہ اہلیت کے اعتبار سے وہ اس عالمی انعام کے سزاوار نہ ہوسکتے تھے۔ ڈاکٹر عبدالسلام نے عالمی اعزاز تو حاصل کر لیا' مگر یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایٹمی میدان میں انتہائی استعداد کے بعد انہوں نے ملک کے لیے کون سا کارنامہ سرانجام دیا' کس سائنسی شعبہ میں ان کی دریافت سامنے آئی' کون سا معرکہ سر ہوا؟--- یہ سوالات آج تک تشنہ جواب ہیں۔ ہم نے ان کے گلے میں پھولوں کے ہار تو ڈال دیئے' سرکاری سطح پر ان کا پرتپاک استقبال کیا' صدر پاکستان ان کے خیر مقدم میں بچھ بچھ گئے' ملت اسلامیہ کے جذبات سے بے نیاز ہو کر ان کی راہ میں پھولوں کی کہکشاں سجا دی گئی' مگر اب تک یہ معلوم نہ ہوسکا کہ وہ پاکستان کے ایٹمی اداروں میں کون سی انقلابی تبدیلی لائے ہیں۔ میری معلومات کے مطابق وہ کوئی خدمت انجام دینے کی بجائے پاکستان کے بارے میں ایٹمی معلومات ہندوستان منتقل کرنے کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ وہ پوری نگاہ رکھے ہوئے ہیں کہ پاکستان میں کوئی قابل اور ذہین سائنس دان ایٹمی اداروں تک رسائی حاصل نہ کر سکے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ ڈاکٹر عبدالسلام پاکستان آتے ہیں' تو چند ہفتے قیام کے بعد وہ ہندوستان کو عازم سفر ہو جاتے ہیں' جہاں ان کی راہ میں آنکھیں بچھا دی جاتی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ وہ بنگلور' بنارس اور ہندوستان کی دیگر بڑی درسگاہوں میں جدید سائنسی علوم پر لیکچر دیتے ہیں۔ لیکچر محض بہانہ ہے وگرنہ حقیقت یہ ہے کہ وہ پاکستان کے کٹر غنیم ہندوستان کو اپنی تازہ ترین معلومات سے آگاہ کرتے ہیں۔ انڈیا انہی معلومات کی بنا پر لوک سبھا اور عالمی سطح پر نوحہ کرنے لگتا ہے اور ان کے اخبارات پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے خلاف زہر اگلنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ گھر کے بھیدی اسی طرح لنکا ڈھا رہے ہیں۔ لطف یہ ہے کہ پاکستان کے سیاسی دانشور' ڈاکٹر عبدالسلام کی علمیت کے قصیدے پڑھتے تھکتے نہیں۔

ڈاکٹر عبدالسلام ایک طویل عرصہ تک پاکستان میں صدر کے سائنسی مشیر رہ چکے ہیں۔ وہ مسٹر بھٹو کے سائنسی مشیر بھی رہ چکے ہیں۔ جناب بھٹو نے انہی کے ایماء پر ڈاکٹر شہزاد صادق قادیانی کو فرش سے اٹھا کر عرش پر بٹھا دیا تھا اور آئل اینڈ گیس کارپوریشن کے تمام وسائل ان کی تحویل میں دے دیئے تھے۔ ڈاکٹر شہزاد برسوں او۔ جی۔ ڈی۔ سی میں سیاہ و سفید کے مالک رہے اور رفتہ رفتہ قادیانی لابی کے لوگوں کو اوپر لاتے رہے۔ بھٹو کے بعد انہیں ملک سے فرار ہونا پڑا' مگر آج تک تیل اور گیس کی کارپوریشن' قادیانی لابی کے تصرف سے آزاد نہیں ہوسکی۔ اب بھی انہیں پر عنایات کی بارش ہو رہی ہے اور ہم اپنی کوتاہی اور غفلت پر کف افسوس مل کر رہ گئے ہیں۔ ڈاکٹر عبدالسلام جب تک مسٹر بھٹو کے مشیر رہے' ان کی تمام صلاحیتیں قادیانی لابی کے لیے سرگرم رہیں۔ جناب بھٹو کچھ کچھ قادیانیوں کے عزائم سے باخبر ہوگئے تھے' انہیں بالاخر احساس ہوگیا تھا کہ ان کے اقتدار کے گرد دائرہ تنگ ہوتا جا رہا ہے۔

مسٹر بھٹو کے دور میں ایک سائنسی کانفرنس ہو رہی تھی۔ کانفرنس میں شرکت کے لیے ڈاکٹر عبدالسلام کو دعوت نامہ بھیجا گیا۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب قومی اسمبلی نے آئین میں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دے دیا تھا۔ یہ دعوت نامہ جب ڈاکٹر عبدالسلام کے پاس پہنچا' تو انہوں نے مندرجہ ذیل ریمارکس کے ساتھ اسے وزیراعظم سیکرٹریٹ کو بھیج دیا:

I do not want to set foot on this accursed land until the Constitutional Amendment is withdrawn.

"میں اس لعنتی ملک پر قدم نہیں رکھنا چاہتا' جب تک آئین میں کی گئی ترمیم واپس نہ لی جائے"۔

مسٹر بھٹو نے جب یہ ریمارکس پڑھے تو غصہ سے ان کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ انہوں نے اشتعال میں آکر اسی وقت اسٹیبلشمنٹ ڈویژن کے سیکرٹری وقار احمد کو لکھا کہ ڈاکٹر عبدالسلام کو فی الفور برطرف کر دیا جائے اور بلاتاخیر نوٹیفکیشن جاری کر دیا جائے۔ وقار احمد نے یہ دستاویز ریکارڈ میں فائل کرنے کی بجائے اپنی ذاتی تحویل میں لے لی' تاکہ اس کے آثار مٹ جائیں۔ وقار احمد بھی قادیانی تھے' یہ کس طرح ممکن تھا کہ اتنی اہم دستاویز فائلوں میں محفوظ رہتی۔ اتنی دریدہ دہنی اور ڈھٹائی کے باوجود جب ڈاکٹر عبدالسلام پاکستان آتے ہیں' تو ان کی پذیرائی میں سرکار کی باچھیں کھل جاتی ہیں اور ان کا شایان شان خیر مقدم کیا جاتا ہے۔ وطن عزیز کی رسوائی اور حد درجہ بے حرمتی کرنے والے اس ڈاکٹر کی

پذیرائی کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔

مارشل لاء کے فیض یافتہ اور سابق وزیر تعلیم مسٹر محمد علی ہوتی کو ڈاکٹر عبدالسلام کا کلاس فیلو ہونے کا افتخار حاصل ہے۔ ڈاکٹر عبدالسلام جب پنجاب یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کر رہے تھے' تو جناب ہوتی نے ان دنوں سخت احتجاج کیا تھا کہ ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی ہے' اس کا کھانا الگ کیا جائے۔ چند دن ہوئے جب ڈاکٹر عبدالسلام کے ایک پرانے رفیق کار اور ہم جماعت سے ملاقات کا موقع ملا' انہوں نے کہا کہ ڈاکٹر سلام جب کبھی پاکستان آتے ہیں' تو یونیورسٹی کی پرانی یادیں تازہ کرنے کے لیے ان کے پاس مختصر قیام ضرور کرتے ہیں۔ ڈاکٹر عبدالسلام نے انہیں بڑے فخر سے بتایا کہ محمد علی ہوتی' جس نے ہوسٹل میں ان کا کھانا الگ کر دیا تھا' آج کل اسلام آباد ایئرپورٹ پر گاڑی لے کر حاضر ہو جاتا ہے اور خوش آمدید کا یہ منظر بڑا ہی دیدنی ہوتا ہے۔ نفرت' محبت کے قدموں میں کس طرح سجدہ ریز ہوئی' اس اسرار سے سابق وزیر تعلیم ہی پردہ اٹھا سکتے ہیں' تاہم دانائے راز یہی کہتے ہیں کہ ڈاکٹر سلام کی خوشنودی کے طالب اچھی طرح جانتے ہیں کہ عہدہ و منصب کی تقسیم میں ڈاکٹر عبدالسلام کی کرم فرمائی اور نوازش شامل ہوتی ہے۔

مجھے اس نا.غہ روزگار کی بات دل کو لگتی ہے' جس نے کہا تھا کہ پاکستان میں کوئی سیاسی جماعت اس وقت تک برسراقتدار نہیں آ سکتی جب تک اسے قادیانیوں کا غیر معمولی التفات میسر نہ ہو۔ انگلستان کا یہ پودا' اب تناور درخت کی شکل اختیار کر چکا ہے اور اس کی جڑیں ملک کے چاروں طرف پھیل رہی ہیں۔ انگریز کا آفتاب جب تک برصغیر پر قائم رہا' اس نے انہی افراد کو عہدوں سے نوازا' جو یا تو قادیانی تھے' یا ان کے منظور نظر تھے۔ اس طرح وہ ایک ایسی لابی قائم کرنے میں کامیاب ہوگئے' جو آج بھی ان کے افکار اور مفادات کی پروٹیکشن کر رہی ہے۔ مجھے اس میں کوئی شبہ نظر نہیں آتا کہ آج ملک میں ہماری دینی جماعتوں کے درمیان تکفیر کی حد تک جو اختلافات پیدا ہوئے ہیں' ان کے پیچھے قادیانی منصوبہ بندی اور سازشوں کی بساط کام کر رہی ہے۔ وہ اسلامی نظام کی داعی جماعتیں جن کی اجتماعی قوت اسلام کے دشمنوں کے خلاف استعمال ہونا تھی' ایک دوسرے کو پچھاڑنے میں صرف ہو رہی ہے۔ مسجدیں کفر و تکفیر کے فتوؤں کی آماجگاہ بن چکی ہیں اور اسلام کا آفاقی نظام عام آدمی کے دل و نگاہ سے محو ہوتا جا رہا ہے۔ وہ چھوٹی سی اقلیت جو مرزا غلام احمد قادیانی کے فریب خوردہ افکار پر قائم ہوئی تھی' اس کا جادو سرچڑھ کر بول رہا ہے۔ یقین نہ آئے تو مساجد میں جا کر علمائے دین کی تقریریں ملاحظہ کر لیں' جہاں اسلام کی

بجائے فروعی خیالات اور مسلک کی حکمرانی قائم ہوچکی ہے۔

انگریز کی پروردہ یہ تنظیم زندگی کے ہر شعبہ میں اپنی شاخیں پھیلا رہی ہے اور سرکاری محکموں میں دخیل ہونے کی حد تک اثر انداز ہو رہی ہے۔ اس کے اثرات ختم کرنے کے لیے صحیح طریقہ سے منصوبہ بندی نہیں کی گئی۔ حساس محکمے اس کی دستبرد سے کل محفوظ تھے نہ آج۔ اس کے ایجنٹ خود کو لبرل ثابت کرتے ہیں اور قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کے عمل کو محض ملاؤں کی تنگ نظری اور کج اندیشی سے منسوب کرتے ہیں ۔ملا کا لفظ گالی بن کے رہ گیا ہے اور کوئی فرد رجعت پسند کہلوانے کے لیے آمادہ نہیں۔ بعض لوگ بڑی معصومیت اور سادی لوحی سے سوال کرتے ہیں کہ ان مولویوں نے یہ کیا ہنگامہ کر رکھا ہے' کیا پاکستان میں اقلیت کو تحفظ حاصل نہیں؟ کیا یہاں ہندو' سکھ' عیسائی اور پارسی نہیں رہتے؟ انہیں اگر شہری حقوق اور تحفظات حاصل ہیں' تو قادیانی اس سے کیوں محروم ہیں؟ آخر تان یہاں آکر ٹوٹ جاتی ہے کہ یہ چند گمراہ مولویوں کے ذہن کا شاخسانہ ہے۔ دارالحکومت کے ایک معروف کالم نویس نے قادیانیوں کا دفاع کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انہیں تو پاکستان میں بسنے والی تمام اقلیتوں سے زیادہ حقوق اور تحفظ ملنا چاہیے۔ کوئی شک نہیں کہ پاکستان میں کئی اقلیتیں سکونت پذیر ہیں اور ریاست نے ان کے حقوق محفوظ کیے ہیں' مگر آج تک کسی عیسائی یا ہندو نے اٹھ کر یہ باطل دعویٰ نہیں کیا کہ وہ مسلمان ہے۔ عیسائی اپنے آپ کو عیسائی سمجھتے ہیں اور ہندو خود کو ہندو کہلواتے ہیں۔ اگر کوئی شخص برسرعام اعلان کرے کہ صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق کے علاوہ وہ بھی صدارت کے عہدے پر متمکن ہے تو ۹ کروڑ عوام اسے پاگل سمجھنے میں ایک لمحہ کے لیے بھی دریغ نہ کریں۔ حکومت یا ریاست اس قسم کے باغیانہ نعرے کو برداشت کر سکتی ہے؟ مرزا غلام احمد نے ببانگ دہل اپنے آپ کو نبی کہا ہے' نبوت کے جھوٹے دعویدار کو کس تحمل سے برداشت کیا گیا' اس کے پیروکار اور خیراندیش ملت اسلامیہ کو تلقین کرتے ہیں کہ قادیانیوں کو تمام اقلیتوں سے زیادہ حقوق دیئے جائیں جبکہ وہ اعلانیہ اور واشگاف کہتے ہیں کہ اسرائیل میں ہمارے مشن ہیں' یہودیوں کے وہی دوست ہوسکتے ہیں جو پاکستان اور عالم اسلام کے دشمن ہیں۔

پچھلے دنوں اسرائیل کے ایک اخبار "یروشلم پوسٹ" کے صفحہ اول پر تصویر شائع ہوئی' جس میں قادیانی مشن کے سربراہ نے اسرائیل کے صدر کا اس بات پر شکریہ ادا کیا کہ اس نے انہیں مکمل آزادی دی اور ان سے تعاون کیا۔ فلسطینیوں کو بے گھر اور بیت

المقدس کی بے حرمتی کرنے والے یہودیوں کے انہی کے ساتھ تعلقات قائم ہوسکتے ہیں' جو ۹ کروڑ مسلمانوں کے دینی جذبات سے کھیل رہے ہیں۔

ہمارے یہ لبرل دانشور جو قادیانیوں کو فتنہ اور غیر مسلم قرار دینے والے کو رجعت پسندی کی پھبتی کستے ہیں' انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ مسٹر بھٹو کوئی مولوی نہ تھے اور نہ کوئی رجعت پسند لیڈر' بلکہ سزائے موت پانے سے پہلے انہوں نے شیو کا سامان طلب کرتے ہوئے کہا کہ میں مولوی کی موت مرنا نہیں چاہتا۔

"I do not want to die like Moulvi Death."

مسٹر بھٹو سے ہزاروں اختلافات کی گنجائش ہے' مگر کوئی شخص ان سے یہ اعزاز نہیں چھین سکتا کہ انہوں نے قادیانیوں کے خلاف تحریک کی پرورش کی اور بالاخر انہیں ۱۹۷۳ء کے آئین میں غیر مسلم قرار دے کر دم لیا۔ یہ اتنا بڑا کریڈٹ ہے کہ آخرت میں ان کے لیے ذریعہ نجات بھی بن سکتا ہے۔

"چٹان" کے بانی شورش کاشمیریؒ نے مسٹر بھٹو کے نظریات کے خلاف ایک طولانی جنگ لڑی' جیل میں گئے اور ناقابل برداشت صعوبتیں جھیلیں' مگر جب بھٹو نے آئین میں ترمیم کی' تو انہوں نے تمام اختلافات سے بالاتر ہو کر انہیں زبردست خراج تحسین پیش کیا۔ حالانکہ ان کے رفقاء ان سے متفق نہ تھے' مگر آغا صاحب نے انہیں کہا کہ آج اگر مسٹر بھٹو کے اچھے کاموں کی حوصلہ افزائی نہ کی گئی' تو وہ آئندہ کوئی اچھا کام نہیں کریں گے۔ تم اگر میرا ساتھ نہیں دینا چاہتے تو نہ دو' میں تنہا اس شخص کو مبارک باد پیش کروں گا' جس نے ناموس رسالتؐ کی حرمت کو قائم رکھا۔ چنانچہ یہ کہنا کہ قادیانیوں کو کافر قرار دینا محض علماء کی بصیرت کی تنگی ہے' سراسر خلاف حقیقت ہے۔

مسٹر بھٹو نے اپنے دور میں کہوٹہ ریسرچ سینٹر کا سنگ بنیاد رکھا اور ممتاز ایٹمی سائنس دان جناب ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو ہالینڈ سے بلا کر کہا: آپ کام کریں اور اس سلسلے میں بھاری اخراجات کی فکر نہ کریں۔ کہوٹہ سینٹر کے قیام کے فوراً بعد یہودی حرکت میں آ گئے۔ انہوں نے ڈاکٹر قدیر خان کے خلاف سازش کا جال بچھانا شروع کر دیا۔ یہ ڈاکٹر صاحب کے علم و فن کا اعجاز تھا کہ وہ نہایت قلیل وقت میں پاکستان کو یورینیم کی افزودگی میں بھارت کے مقابلے میں بہت آگے لے آئے۔ یہ بات دل یہود میں کانٹے کی طرح کھٹکتی رہی۔ چنانچہ ایک منظم منصوبہ کے تحت ڈاکٹر صاحب پر ایٹمی راز کو چرانے کا شوشہ چھوڑا گیا۔ ہالینڈ کی عدالت میں ڈاکٹر صاحب کی عدم موجودگی میں مقدمہ چلا کر یکطرفہ فیصلہ کرایا

گیا تاکہ ڈاکٹر صاحب کو قوم کی نظروں سے گرا دیا جائے۔ اہل پاکستان نے ڈاکٹر صاحب کے گلے میں گولڈ میڈل پہنا کر اپنے جذبات کا نذرانہ پیش کیا۔ وہ اس سے بھی بڑے اعزاز کے مستحق ہیں' گولڈ میڈل ان کی خدمات کے صلے میں بڑی حقیر چیز ہے۔ نوبل پرائز بھی ان کے جاوداں کارنامے اور خدمات کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ لیکن ۹ کروڑ پاکستانیوں کے دل' ڈاکٹر صاحب کے لیے دھڑکتے ہیں۔ جذبوں کا یہ خراج تمام عالمی انعامات سے سوا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو فقط اہل پاکستان کی محبتیں اور جذبات سے معمور دھڑکنیں ان کی آسودگی کے لیے کافی ہیں۔ ویسے بھی ان کے پایہ کی شخصیت عالمی اعزاز اور میڈلوں سے بالاتر ہے۔ اہل وطن کی نگاہیں ہر وقت ان کے لیے فرش راہ رہتی ہیں۔ یہ افتخار' بانی پاکستان کے بعد اگر کسی شخص کے حصہ میں آیا تو وہ فقط ڈاکٹر قدیر خان ہیں' جو ۹ کروڑ آنکھوں میں محو خرام ہیں۔

ڈاکٹر اے کیو خان کے خلاف قادیانی ٹولہ اس لیے بھی سرگرم ہے کہ انہوں نے کہوٹہ ریسرچ سینٹر میں کسی قادیانی فرد کو ملازمت نہیں دی' جبکہ ایٹمی توانائی کمیشن میں ۲۵ کے قریب قادیانی اعلیٰ مناصب پر فائز ہیں' جن میں ڈاکٹر سلام کا بھائی بھی شامل ہے۔

معتبر ذرائع سے اطلاعات ملی ہیں کہ ڈاکٹر عبدالسلام جب پاکستان آتے ہیں تو ایٹمی توانائی کمیشن کراچی کے گیسٹ ہاؤس میں ان کے قیام و طعام کا انتظام کیا جاتا ہے۔ وہ جناب منیر احمد خان کو فون کرتے ہیں' تو موصوف عالم شوق میں کراچی پہنچ جاتے ہیں۔ وہیں اہل دل کی محفل سجتی ہے اور کسی نامہ و قاصد کے بغیر پیغام پہنچتے ہیں۔ ڈاکٹر سلام وہیں سے ہندوستان کے لیے رخت سفر باندھتے ہیں۔ وہ وہاں کی معروف درسگاہوں میں اپنے بلیغ و فصیح لیکچر سے اہل علم کی تشنگی بجھاتے ہیں۔

ایک دانائے راز کا کہنا ہے کہ ڈاکٹر سلام کی نگاہ' ملک کے ان تمام افراد پر مرکوز ہے' جو جدید اور ایٹمی علوم پر دستگاہ رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کا کام یہ ہے کہ وہ ایسے تمام حضرات کو ایٹمی اداروں سے دور رکھیں' تاکہ پاکستان میں کوئی جوہر قابل سامنے نہ آسکے۔ مجھ تک موصول ہونے والی اطلاعات کے مطابق ایسے کئی ذہین سائنس دان ڈاکٹر سلام کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں۔ ڈاکٹر سعید زاہد اس سلسلے میں سرفہرست ہیں۔ ڈاکٹر سعید زاہد ملک کے مایہ ناز ایٹمی سائنس دان ہیں۔ انہوں نے آسٹریلیا کے ایٹمی توانائی کمیشن کے چیئرمین مرجان فلپ بیکر کے ساتھ کام کیا۔ اس کے بعد امریکہ چلے گئے' جہاں انہوں نے نہایت امتیازی حیثیت سے دو کورسز کیے۔ شکاگو کی شہرت یافتہ ایٹمی تجربہ گاہ آرگان نیشنل لیبارٹری

سے نیوکلیئر انجنیئرنگ کا کورس مکمل کیا اور اوکرج میں نیوکلیئر ری ایکٹر ہیزرڈ کا کورس کیا۔ ڈاکٹر زاہد اپنے شعبہ میں یکتا سائنس دان ہیں' جنہوں نے نیوکلیئر ری ایکٹر ہیزرڈ کی ڈگری حاصل کی۔ پاکستان میں پنسٹک کی منصوبہ بندی اور بلڈنگ کو ڈیزائن کرنے میں اس یکتائے روزگار سائنس دان کی شبانہ روز مساعی اور کاوشوں کا گہرا دخل ہے۔ امریکہ کے چوٹی کے ایٹمی سائنس دانوں نے ڈاکٹر سعید زاہد کی غیر معمولی صلاحیتوں کا اعتراف کیا ہے' بلکہ نیوکلیئر ری ایکٹر کے بارے میں اس کی بیش قیمت رائے کا احترام کیا ہے۔ آج پاکستان کا یہ عظیم سائنس دان اسلام آباد میں کسمپرسی کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ اسے پنشن تک سے محروم کر دیا گیا ہے۔ اسلام آباد میں نیوکلیئر سائنس دانوں کے کوٹہ میں انہیں ایک کنال کا پلاٹ دیا گیا' جسے بعد ازاں واپس لے لیا گیا۔ ڈاکٹر سعید زاہد کی وہ کیا خطا تھی جس کی پاداش میں انہیں پنشن اور رہائشی سہولت سے بھی محروم کر دیا گیا۔ ان کا قصور صرف اتنا تھا کہ وہ ڈاکٹر عبدالسلام کو استقبالیہ دینے کے لیے آمادہ نہ تھے' جبکہ حکومت کی طرف سے انہیں ری سپشن دینے کی ہدایت کی گئی تھی۔ ڈاکٹر عبدالسلام ان کی گستاخی کس طرح برداشت کر سکتے تھے۔ ڈاکٹر زاہد کا انکار ڈاکٹر عبدالسلام کی طبع نازک پر گراں گزرا' چنانچہ انہیں سائنس فاؤنڈیشن سے فارغ کر دیا گیا۔ کیونکہ ڈاکٹر عبدالسلام کی ہر بات آج بھی جان غزل کی حیثیت رکھتی ہے۔

یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ افریقہ کی ایک ریاست میں حکومت پاکستان کے مصارف پر جو تبلیغی مشن روانہ کیا جاتا ہے' ان کا کثیر زرمبادلہ قادیانیوں کے لیے استعمال ہو رہا ہے۔ تبلیغی مشن پر جانے والے وفود کے تمام اراکین قادیانیوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اسلامی ریاست کا خزانہ غیر مسلموں کے لیے آج بھی کھلا ہے۔ نہ کوئی احتساب' نہ بازپرس' کس سے داد فریاد کی جائے

ع "کون سنتا ہے فغان درویش"

ایم ایم احمد کے زمانے میں بھی یہی دستور رائج تھا' اس وقت کسی سرپھرے نے قومی اسمبلی میں سوال اٹھا دیا تھا کہ قوم کو اعتماد میں لیا جائے کہ حکومت پاکستان' قادیانیوں کو تبلیغ دین کے لیے بھاری اخراجات کیوں برداشت کر رہی ہے۔ جب یہ سوال متعلقہ وزارت میں پہنچا' تو ایم ایم احمد نے اس سوال کا گلا گھونٹ دیا تھا۔ ان دنوں وزارت خزانہ کے سیکرٹری یہی حضرت تھے۔ اس کے بعد کسی مرد حر نے جرات نہ کی۔ آج بھی قومی اسمبلی میں یہ سوال اٹھ جائے تو ایوان کی آنکھیں خیرہ ہو جائیں۔ اہل وطن کو معلوم ہو

جائے کہ کتنا کثیر زرمبادلہ قادیانیوں کے مشن پر اٹھ رہا ہے۔ یہ سوال بھی جاں گسل ہے کہ ڈاکٹر سعید زاہد کو ڈاکٹر عبدالسلام کی خواہشات اور مفادات کی نذر کیوں کیا گیا' انہیں راستے کا پتھر سمجھنے والے اپنے کن آقاؤں کے لیے دست تعاون دراز کیے بیٹھے ہیں۔

ع "یہ کس کافر کا غمزۂ خون ریز ہے ساقی"

میری معلومات کے مطابق حکومت عراق اپنے ایٹمی پروگرام کے فروغ کے لیے ڈاکٹر زاہد علی کی علمی اور سائنسی استعداد سے استفادہ کرنا چاہتی ہے' مگر پاکستان کا یہ ممتاز سائنس دان قادیانی سازش کا شکار ہو کر گمنامی اور گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے۔ نوکر شاہی کی چیرہ دستیوں سے اس کا سینہ فگار اور دل چھلنی ہو چکا ہے۔ جس شخص نے نیلور فیکٹری کو ابتدائی مرحلے میں نئی زندگی دی' اس کی ڈیزائننگ میں اپنی صلاحیتیں صرف کیں' سائنسی فاؤنڈیشن کو نئی سمتیں عطا کیں' جدید سائنسی علوم پر یدطولیٰ رکھنے والا یہی شخص' دوبارہ وطن میں بے یارو مددگار ہے اور شہر خوباں میں اپنے بنیادی حقوق سے محروم ہے اور ادھر جناب جونیجو کچی آبادی کے مکینوں کو مالکانہ حقوق دینے چلے ہیں۔ نظام اسلام کا چرچا ہے اور حقوق العباد سے بے نیازی کا بھی مظاہرہ ہو رہا ہے۔

بیان کیا جا چکا ہے کہ ڈاکٹر سعید زاہد کا قصور فقط یہ تھا کہ انہوں نے ڈاکٹر عبدالسلام کو ری سپشن دینے اور اس میں شرکت کرنے سے معذوری ظاہر کی تھی۔ استقبالیہ میں عدم شرکت پر انہیں سیکرٹری کی طرف سے ناپسندیدگی Displeasure کا پیغام پہنچایا گیا۔ ڈاکٹر عبدالسلام نے آخر اپنی راہ کا کانٹا صاف کر کے ہی سکھ کا سانس لیا۔ تاہم ڈاکٹر اے کیو خان کو وہ اب تک اسیر نہیں کر سکے' حالانکہ ڈاکٹر قدیر ان کی نگاہوں میں شروع دن سے ہی کھٹک رہے ہیں۔ ایک معروف ایٹمی سائنس دان نے مجھ سے ایک بالمشافہ ملاقات میں ڈاکٹر سلام کے نوبل پرائز کی پردہ دری کرتے ہوئے کہا تھا کہ یہودیوں نے آئن سٹائن کی صد سالہ برسی کے موقع پر ڈاکٹر عبدالسلام کو عالمی انعام دینے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس انٹرویو کی اشاعت پر قادیانیوں نے طوفان کھڑا کر دیا تھا۔ صدر پاکستان پر دباؤ ڈالا گیا کہ اس بیان کی تردید کریں۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ قادیانیوں کی براہ راست رسائی کہاں تک ہے اور وہ چلمن کے پیچھے بیٹھ کر کہاں سے تار ہلاتے ہیں۔

پاکستان کے ممتاز جیالوجسٹ نے "نوائے وقت" کے چیف رپورٹر جناب انوار فیروز سے انٹرویو کے دوران لرزہ خیز انکشاف کیا تھا۔ ان کا یہ بیان "نوائے وقت" کے جمعہ میگزین میں شائع ہوا ہے' جس کی تردید آج تک نظر سے نہیں گزری۔ انہوں نے کہا:

"میں نے ۱۹۶۷ء میں پہلی بار یورینیم دریافت کیا اور اس کی اعلیٰ کوالٹی کے نتائج حاصل کیے۔ یہ سابق صدر ایوب کے لیے چونکا دینے والا انکشاف تھا' کیونکہ ایٹمی توانائی کمیشن کے چیئرمین ڈاکٹر عثمانی کہہ چکے تھے کہ پاکستان میں یورینیم نہیں ہے۔ ایوب خان سے میری ملاقات کے چند دن بعد ڈاکٹر عثمانی کو چیئرمین کے عہدے سے فارغ کر دیا گیا۔ اس نے ایوب خان کو اس لیے اندھیرے میں رکھا کہ یورینیم کی مدد سے کمیشن کو بہرطور بھاری رقم مل سکتی تھی۔ ایوب خان نے ایٹمی ادارے کے ڈاکٹر غنی سے کہا کہ وہ میرے ساتھ گلگت جائیں۔ ڈاکٹر غنی نے میری کوششوں کی تعریف کی' ان کی واپسی کے بعد میں نے کوششیں تیز کیں اور ۲۰۰ کلوگرام یورینیم نکالا اور ایوب خان سے ملا۔ ایوب خان نے ہدایت کی کہ فرانس سے ماہرین کی ٹیم بلائی جائے' جو ان علاقوں کا سروے کرے۔ ٹیم گلگت گئی اور صدر کو رپورٹ دی۔ میں ۱۹۶۸ء کے شروع میں ایوب خان سے پھر ملا' جنہوں نے مجھے راولپنڈی بلا کر بھاری انعام دینے کا اعلان کیا' مگر انہیں مہلت نہ مل سکی۔ ان کے خلاف تحریک شروع ہوگئی' وہ اقتدار چھوڑ کر چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد یورینیم کی تلاش کا منصوبہ غائب ہوگیا۔ صرف ایک جیالوجسٹ یورینیم کی تلاش میں دلچسپی رکھتا تھا' اسے برطرف کر دیا گیا۔ وہ ملک سے باہر چلا گیا اور دوسرے ملک کو فائدہ پہنچا رہا ہے۔

ایٹمی توانائی کمیشن کے موجودہ چیئرمین نے عہدہ سنبھالا تو مجھے ۲۴۰۰ روپے ماہانہ کی پیشکش کی۔ پہلے ماہ تنخواہ دی گئی' دوسری بار مسترد کر دی گئی کہ میں اخباری بیان دوں کہ میرا پہلا مؤقف جو سرکاری فائلوں میں تھا' وہ غلط تھا۔ میرے انکار پر میری ملازمت ایک ماہ بعد ختم کر دی گئی"۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے! شیر خان کے پاس ۸ ہزار کلوگرام یورینیم پڑا ہے' جسے ایٹمی توانائی کمیشن خریدتی ہے نہ حکومت فروخت کرنے کی اجازت دیتی ہے۔ یاد رہے کہ ایک ایٹم بم کی تیاری میں دس کلوگرام یورینیم درکار ہوتا ہے۔ ایٹمی توانائی کمیشن کے چیئرمین نے محض اس لیے شیر خان کو ملازمت سے برطرف کر دیا کہ اس نے پاکستان میں یورینیم کے بھاری ذخائر کی تردید سے صاف انکار کر دیا تھا۔ شیر خان نے سابق وزیر پٹرولیم اور راولپنڈی یونین آف جرنلسٹس کے گولڈلسٹ کو متعدد خطوط لکھے۔ امریکہ سے قومیت حاصل کرنے والے ڈاکٹر اسد نے مکتوب نگار کو جواب دینے کی زحمت نہ کی۔ شیر خان نے صدر سے کہا

کہ اگر مجھے ملاقات کا وقت عنایت کیا جائے' تو وہ ان تمام چہروں کو بے نقاب کر سکتے ہیں' جو پاکستان میں ایٹمی پروگرام کے خلاف سرگرم عمل ہیں اور نہیں چاہتے کہ ہمارا ملک ایٹمی قوت بنے۔

ایٹمی توانائی کمیشن کے چیئرمین جناب منیر احمد خان نے تادم تحریر شیر خان کے الزام کی تردید نہیں کی۔ راولپنڈی کے ایک مقامی ہفت روزہ نے سنگین الزام عائد کیا ہے کہ اس ادارے میں قادیانی یعنی بھارت اور اسرائیل کے ایجنٹ موجود ہیں۔ ایک منصوبہ کے تحت قادیانیوں کی ایک بڑی کھیپ کو ایٹمی توانائی کمیشن میں انتہائی اہم مقامات پر فائز کیا گیا ہے۔

جناب منیر احمد خان نے "اردو ڈائجسٹ" سے ایک تفصیلی انٹرویو میں یہ خوش رنگ دعویٰ کیا تھا کہ وہ ایٹمی ری پروسیسنگ پلانٹ مقامی طور پر تیار کر سکتے ہیں۔ ان کا دعویٰ ابھی تک شرمندہ تکمیل نہیں ہوسکا۔ ۱۹۷۷ء میں انہوں نے روزنامہ "جنگ" میں قوم سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اب ہر سال ایٹمی ری ایکٹر لگائیں گے۔ وقت نے اس دعویٰ کو بھی باطل ثابت کر دیا ہے۔ ہمارے پاس لے دے کے صرف ایک ایٹمی ری ایکٹر موجود ہے' جو برقی توانائی کے لیے کراچی میں نصب کیا گیا ہے۔ ۱۷۵ میگاواٹ کا یہ ری ایکٹر ناقص کارکردگی کے باعث رواں حالت میں نہیں ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ ۱۷۵ میگاواٹ کا پوری دنیا میں یہ واحد ری ایکٹر ہے۔ بالعموم ۵۰۰ یا ۱۰۰۰ میگاواٹ کا حامل ری ایکٹر ہوتا ہے۔ تحریک استقلال کے سربراہ جناب اصغر خان نے بھی ایٹمی توانائی کمیشن کو چیلنج کیا ہے اور کہا کہ ۱۷۵ میگاواٹ کا حامل یہ ری ایکٹر صحیح حالت میں کام کرنے سے قاصر ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ بھارت کے پاس ایٹمی ری ایکٹروں کی تعداد بارہ کے لگ بھگ ہے۔

ڈاکٹر عفاف نے روزنامہ "مسلم" کے ۹ر مارچ کے شمارے میں پاکستان کے نیوکلیئر پروگرام کی ناکامی کے اسباب کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: "ہندوستان کے ایٹمی توانائی کمیشن میں بے شمار پی ایچ ڈی سائنس دان کام کر رہے ہیں' جبکہ منیر احمد خان جو گزشتہ چودہ سال سے مسلسل ایٹمی توانائی کمیشن کے سربراہ چلے آ رہے ہیں' نہ تو ڈاکٹر ہیں اور نہ ہی نیوکلیئر انجینئرنگ میں انہوں نے کوئی ڈگری حاصل کی ہے۔ وہ صرف الیکٹریکل انجینئرنگ میں ایم۔ ایس سی ہیں۔ انہوں نے چودہ سال میں کوئی قابل ذکر کارنامہ سرانجام نہیں دیا"۔

منیر احمد خان کی عمر ۶۰ سال کے قریب پہنچ چکی ہے۔ وہ ریٹائرمنٹ کے قریب ہیں' لیکن اپنی ملازمت میں توسیع کرنے کے لیے انہوں نے ہاتھ پاؤں مارنے شروع کر دیئے

ہیں۔ داد دیجئے کہ انہوں نے سفارش کے لیے کیا خوبصورت منصوبہ تیار کیا ہے۔ کوئی تعجب نہیں کہ انہیں اب تک اپنے منصوبے میں کامیابی بھی ہو چکی ہو۔

مارچ کے آخر میں ایٹمی توانائی کے بین الاقوامی ادارے کے ڈائریکٹر جنرل ڈاکٹر سیگواڈ ایکلونڈ کو خصوصی طور پر پاکستان آنے کی دعوت دی گئی۔ ڈاکٹر سیگواڈ نے صدر پاکستان سے بھی ملاقات کی اور بعد ازاں نیوز کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے اخباری نمائندوں کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ پاکستان نے ایٹمی توانائی کے پرامن مقاصد خاص طور پر میڈیسن اور زراعت کے شعبوں میں زبردست ترقی کی ہے۔ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کے معائنہ کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ وہ ان تنصیبات کی دیکھ بھال اور سب سے بڑھ کر پاکستانی سائنس دانوں سے بڑے متاثر ہوئے ہیں۔ پاکستان کے ایٹمی توانائی کمیشن کو اس عظیم الشان کارکردگی کے پیش نظر بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ ایٹمی ٹیکنالوجی میں پاکستان کا مستقبل بڑا روشن ہے۔ ڈاکٹر سیگواڈ نے پنسٹک کا بطور خاص حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ پنسٹک ٹریننگ سکول میں سائنس دانوں کی تعلیم و تربیت کا معیار بڑا قابل تعریف ہے۔

ڈاکٹر سیگواڈ کا یہ ستائشی بیان باخبر لوگوں کے لیے موجب حیرت ہے۔ یہ وہی صاحب ہیں' جو قبل ازیں پاکستان کے پرامن ایٹمی پروگرام پر شکوک و شبہات کا اظہار کرتے تھے' آج اسی زبان سے تعریف کے ڈونگرے برسا رہے ہیں۔ زبان تنقید' توصیف و ستائش میں کیسے ڈھل گئی؟ ڈاکٹر سیگواڈ نے پنسٹک کا بطور خاص حوالہ دیا اور منیر احمد خان کی خدمات اور علمی صلاحیتوں کو سراہا۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ جناب منیر کی عمر ۶۰ کے ہندسے کو چھو رہی ہے اور وہ ملازمت سے ریٹائرڈ ہونے کے قریب پہنچ چکے ہیں۔ توسیع ملازمت کے لیے ان کے دل میں تمنا جوان ہو رہی ہے۔ بعض باخبر لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ براہ راست ملازمت میں توسیع کی استدعا نہیں کرنا چاہتے' بلکہ بالواسطہ جناب صدر اور وزیراعظم کے دل میں نرم گوشہ پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ وہ جو خود کہنا چاہتے تھے' زبان غیر سے اس کی شرح کر دی گئی ہے۔ واقفان حال کا کہنا ہے کہ ڈاکٹر سیگواڈ کا ایسے وقت میں پاکستان کا دورہ' جب جناب منیر احمد خان ریٹائرمنٹ کے قریب پہنچ چکے ہیں' بڑا ہی پہلودار اور معنی خیز ہے۔ کچھ لوگ منیر احمد خان اور ڈاکٹر سیگواڈ کے درمیان گہرے مراسم اور ربط باہم کو بھی خیال آفرین سمجھتے ہیں۔

ہمارے قومی راہنماؤں میں اصغر خان وہ واحد سیاستدان ہیں' جنہوں نے پاکستان

کے ایٹمی پروگرام پر بڑی فراوانی سے بیانات جاری کیے ہیں۔ انہوں نے گزشتہ سال امریکہ میں قیام کے دوران کہا تھا کہ یہ پاکستان کی حماقت ہوگی کہ وہ ایٹم بم بنائے۔ اسرائیلی ریڈیو ان کے کلام کو لے اڑا تھا اور حضرت اصغر خان بہت مسرور ہیں کہ ستائش کی سند اسرائیلی ریڈیو نے عطا کی۔ یہ اعزاز ان کو مبارک ہو۔

اصغر خان کا سیکولرازم جو کل تک دل نشیں لفظوں میں مستور تھا' آج ان کے تکلم سے چھلک پڑا ہے۔ وہ برسبیل تذکرہ یا تفریحاً" یہ بات نہیں کر رہے ہیں' بلکہ قصداً انہوں نے گداز گوشہ رکھا ہے' تاکہ اہل قادیان ان سے الرجک نہ ہوں اور انہیں قربت کا احساس رہے۔ بیان کیا جا چکا ہے کہ اسرائیل اور قادیان کوئی غیر نہیں ہیں۔ قادیانیوں نے اسرائیل میں اپنے مشن قائم کر رکھے ہیں' تو کیا اسرائیل اپنی موساد کے ذریعے قادیانیوں کی صفوں میں داخل نہیں ہوچکا؟ قادیانی اور یہودی اصل میں دونوں ایک ہیں۔ ایک کو قادیان کی بازیافت کی تڑپ ہے' دوسرے کو ہیکل سلیمانی کی جستجو بے چین کر رہی ہے۔

اصغر خان نے روزنامہ "جنگ" کو ایک طویل انٹرویو دیا' جس میں وہ فرماتے ہیں:

> "صدر نے قوم کو پرفریب تاثر دینے میں مبتلا رکھا ہے۔ یہ تاثر سراسر غلط ہے۔ میری معلومات کے مطابق پاکستان کے سائنس دانوں کو ایٹم بم تیار کرنے کی تمام تر صلاحیتیں رکھنے کے باوجود ایسے کسی پروگرام کو تکمیل کے آخری مراحل تک پہنچانے کی ہدایات نہیں ہیں' نہ ہی موجودہ حکومت اس قسم کے منصوبے میں سنجیدگی کے ساتھ دلچسپی رکھتی ہے۔ بڑی طاقتیں جانتی ہیں کہ ضیاء الحق' عالمی رائے عامہ اور پاکستانی قوم دونوں کو دھوکہ میں رکھے ہوئے ہیں۔ ویانا میں سبرامینم اور ڈاکٹر عبدالسلام کے درمیان ہونے والی گفتگو صورت حال کو واضح کر دیتی ہے"۔

(روزنامہ "جنگ" ۱۵ر مارچ ۱۹۸۶ء)

اصغر خان کے اس بیان سے واقعی صورتحال واضح ہوجاتی ہے۔ انہوں نے ڈاکٹر سلام اور سبرامینم کی گفتگو کا حوالہ دیا' جو ویانا میں ان کے درمیان ہوئی۔ مقام فکر ہے کہ پاکستان کی طرف سے ڈاکٹر عبدالسلام کو بات کرنے پر کس نے مامور کیا؟ خلوت میں ہونے والی ملاقات اصغر خان تک کیسے پہنچی؟ یہ راز نہاں ان پر کیسے عیاں ہوا؟ اصغر خان کے بیان پر تبصرہ تو بعد میں ہوگا' کیا یہ حقیقت کسی ثبوت کی محتاج ہے کہ ڈاکٹر عبدالسلام اپنے آقاؤں کو ایٹمی خبروں کی ترسیل کا فریضہ انجام دے رہے ہیں؟ کہاں ڈاکٹر عبدالسلام اور

کہاں سرا مینم۔ یہ سرا مینم وہ شخص ہے جو پاکستان کے ایٹمی پروگرام کو میلی آنکھ سے دیکھتے ہیں اور ہماری رسوائی کے درپے ہیں۔ سرا مینم کو تو بھارت کی نمائندگی کا حق حاصل ہے' مگر پاکستان کی طرف سے ڈاکٹر عبدالسلام کو ترجمانی کا حق کس نے دیا۔ یہ سوال حقائق کا پردہ چاک کر کے رکھ دیتا ہے۔ کیا سربراہ مملکت اس کی وضاحت فرما سکتے ہیں؟ کیا وہ اہل وطن کو اعتماد میں لینے کے لیے تیار ہیں؟ اگر جواب نفی میں ہے تو پھر بتایا جائے کہ اصغر خان' عبدالسلام کی وضاحت کو کیوں قبول کر رہے ہیں؟ انہیں ڈاکٹر عبدالسلام کی وکالت کیوں مقصود ہے؟ اگر اصغر خان اس پہیلی کے سیاق و سباق سے آگاہ ہیں' تو وہ وضاحت فرما دیں' مجھے ان کے جواب کا شدت سے انتظار رہے گا۔

اصغر خان اس سلسلے میں کیا دلائل رکھتے ہیں' ان کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ پاکستان کو ایٹم بم بنانے کی بجائے اقتصادی پروگرام پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ نیز ایٹم بم بنانے کی حماقت سے باز آ جانا چاہیے۔ دلیل بظاہر دلکش اور دل میں اتر جانے والی ہے' مگر یہ بات کہتے وقت لائق احترام سیاسی قائد کو ہندوستان کے خوفناک عزائم سے چشم پوشی نہیں کرنی چاہیے۔ ہندوستان ۱۹۷۴ء میں ایٹمی دھماکہ کر کے نیوکلیئر کلب میں شامل ہو چکا ہے۔ اس نے اعلانیہ ایٹم بم بنایا ہے اور ہائیڈروجن بم کے تجربات میں مصروف ہے۔ اس نے روس کی ننگی جارحیت سے مشرقی پاکستان کو ہڑپ کر لیا اور برملا عالمی پریس کے سامنے اظہار فخر کرتے ہوئے کہا ہے کہ "ہم نے پاکستان کے دو قومی نظریئے کو خلیج بنگال میں غرقاب کر دیا ہے"۔ دشمن جب اس بھیانک تیور سے پڑوسی ملک سے مخاطب ہوا اور شاہین پاکستان کا ٹائٹل حاصل کرنے والے سیاسی قائد اس کے لیے دل بستگی کا سامان پیدا کریں اور قوم کو اپنی آنکھ نیچی کرنے کے مشورے سے نوازیں' تو پھر وطن کی بقاء صرف دعاؤں ہی کے سہارے قائم رہ سکتی ہے۔

اصغر خان مزید کہتے ہیں :

> "میں اب تک ۶۵ جلسے کر چکا ہوں' اس بارے میں پاکستان کی حساسیت مجھے کہیں نظر نہ آئی۔ ایٹم بم بنانے میں کسی غیر معمولی دلچسپی کا اظہار نہیں کیا' البتہ اخبارات میں غیر معمولی جذباتیت کا اظہار ضرور کیا جاتا ہے۔ بنگلہ دیش کا مسئلہ بھی جذباتی تھا' اس طرح نیوکلیئر پروگرام بھی پاکستان کے لیے ایک اور اقتصادی مسئلہ ہے۔ ہمارے پاس صرف ایک ایٹمی ری ایکٹر ہے اور وہ بھی صحیح طریقہ سے کام نہیں کر رہا۔ اس میدان میں بڑی طاقتیں ہماری مدد کو اس وقت

تک نہیں آئیں گی' جب تک انہیں ہماری نیت کے بارے میں یقین نہیں ہو جاتا۔ ضیاء الحق اب تک جو کچھ کہتے ہیں' ان طاقتوں کو ان کی زبان پر اعتماد نہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جنرل ضیاء الحق جھوٹ بول رہے ہیں"۔

تحریک استقلال کے قائد پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے سلسلے میں عوام کے تغافل پر شکوہ کر رہے ہیں کہ وہ نیوکلیئر پروگرام پر حساس نہیں ہے' اسے ایٹم بم سے کوئی دلچسپی نہیں' صرف اخبارات نے اسے مسئلہ بنایا ہوا ہے۔ اصغر خان کی یہ بات سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہوگی کہ قومی اخبارات عوام کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں' اگر اخبارات پاکستان کے نیوکلیئر پروگرام کے بارے میں متجسس ہیں' تو اس لیے کہ اہل وطن کے لیے یہ نہایت جذباتی مسئلہ بن چکا ہے۔ اگر قوم اتنی بے حس اور جذبات سے بے نیاز ہے' جیسے اصغر خان سمجھ رہے ہیں تو کہوٹہ کے ہزاروں لوگ جن میں ناخواندہ بھی یقیناً شامل ہوں گے' وفور شوق میں پاکستان کے رجل عظیم جناب قدیر خان کے گلے میں گولڈ میڈل نہ ڈالتے اور ان کی عظمت کو سلام عقیدت نہ پیش کرتے۔ اصغر خان مزید فرماتے ہیں کہ بنگلہ دیش کو تسلیم نہ کرنے کے سلسلے میں بھی پاکستانی عوام نے جذبات کا سہارا لیا' ابھی لوگوں کا حافظہ محفوظ ہے' اسے سیاستدانوں کی طرح دیمک نہیں لگی۔ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ پوری قوم نے خیبر سے کراچی تک یک زبان ہو کر بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کی مخالفت کی تھی۔ مسٹر بھٹو جہاں بھی گئے' انہیں شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ بڑے نباض سیاستدان تھے' انہوں نے جب قوم کا بپھرا ہوا موڈ دیکھا تو وہ اس مسئلے کو قومی اسمبلی میں لے آئے۔ پیپلزپارٹی کے ارکان کی اکثریت نے پارلیمنٹ میں بنگلہ دیش کو تسلیم کر لیا۔ "نوائے وقت" نے اگلے روز شہ سرخی کے ساتھ خبر شائع کی کہ وزیراعظم بھٹو نے بنگلہ دیش کو تسلیم کر لیا یعنی قوم نے اس سلسلے میں مسٹر بھٹو کو مینڈیٹ نہیں دیا' بلکہ یہ فرد واحد اور ایک آمر مطلق کا ذاتی فیصلہ تھا' جسے ایوان کے نام سے قوم پر مسلط کر دیا گیا۔ بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کے بعد ۹۰ ہزار قیدیوں کی واپسی کا کیا جواز رہ گیا تھا۔ ہندوستان یہی چاہتا تھا کہ پاکستان بنگلہ دیش کو تسلیم کرے۔ اصغر خان اپنے دلائل سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اہل پاکستان کے جذبات کی کوئی اہمیت نہیں' یہ استدلال پیش کرتے ہوئے اصغر خان اپنی کہہ مکرنی بھول گئے کہ انہوں نے قوم کے جذبات سے مجبور ہو کر بنگلہ دیش کے تسلیم کیے جانے کے اپنے پہلے موقف سے توبہ کر لی تھی۔ بنگلہ دیش کی مثال دے کر وہ اب نیا سیسہ انڈیل رہے ہیں کہ پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے سلسلے میں عوام کی کوئی تائید حاصل

نہیں اور اگر ہے بھی تو ایک سچے لیڈر کو دو ٹوک بات کہنی چاہیے۔ عوام ہی ان قائدین کو لیڈر بناتے ہیں اور اصغر خان الٹا عوام کو سرزنش کرتے ہیں کہ ایک سچے لیڈر کو عوام کے جذبات اور امنگوں کی فکر دامن گیر نہیں ہونا چاہیے۔

جہاں تک ایٹمی ری ایکٹر کا تعلق ہے' اس میں کوئی شک نہیں کہ پاکستان میں گزشتہ دس بارہ سال سے ۱۷۵ میگاواٹ کا ایک ہی ایٹمی ری ایکٹر ہے۔ کمال یہ ہے کہ اس ری ایکٹر نے آج تک ۱۷۵ میگاواٹ پر اپنی کارکردگی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ اگر ری ایکٹر مذکور کی صلاحیت کار صحیح نہیں ہے' تو اس میں اہل وطن کا کیا قصور؟ یہ تو منیر احمد خان بہتر بتا سکتے ہیں' جن کا دعویٰ تھا کہ مزید ری ایکٹر لائیں گے۔ چنانچہ امریکہ اور فرانس کے ماہرین کو یہ کہنے کا موقع مل گیا کہ جب پاکستان کے نامور سائنس دان اس واحد ری ایکٹر کو کام میں نہیں لا سکے' تو مزید فراہم کرنے کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے۔ یہ رویہ پاکستانی سائنس دانوں کو نااہل اور مشکوک بنانے کے مترادف ہے اور اصغر خان وہی جواز پیش کر رہے ہیں' جو امریکہ اور فرانس شروع دن سے کہتے چلے آ رہے ہیں۔

ہندوستان' پاکستان کے خلاف تین مرتبہ جارحیت کر چکا ہے۔ ہمارے مدمقابل ایک ایسا دشمن ہے' جو کسی بھی لمحہ شب خون مارنے سے گریز نہیں کرے گا۔ ہم دشمن کے بھیانک عزائم اور اس کے ایٹمی پروگرام کی خوفناک تیاریوں سے آنکھیں بند نہیں کر سکتے۔ اسے جس دن ہماری کمزوری کا عرفان حاصل ہوگیا' وہ جنگ و جدل سے دریغ نہیں کرے گا۔ اسی باعث تو پاکستانی عوام جذباتی ہو رہے ہیں۔ پاکستان کے عوام کو جنگ و قتال سے کوئی دلچسپی نہیں' مگر وہ یہ نہیں چاہتے کہ کوئی ان کو ہڑپ کر جائے۔ انہیں وطن کے دفاع کا پورا حق حاصل ہے۔ سیاستدان جو پبلک کے جذبات اور حمایت سے اقتدار کی کرسی پر بیٹھنے کے خواب دیکھتا ہے' اسے عوام کے اجتماعی احساسات کی ترجمانی کا فریضہ ادا کرنا چاہیے۔ ہندوستان کی وکالت کا طوق گلے میں لٹکا کر قوم کی خدمت نہیں کی جا سکتی۔ یہ محض اغیار کو خوش کرنے کے حیلے ہیں۔

میں اس دل گرفتہ داستان کو بادل نخواستہ سمیٹ رہا ہوں۔ خدا گواہ ہے کہ مجھے کسی شخص کے ساتھ کوئی ذاتی عناد ہے' نہ پرخاش۔ فقط اصلاح احوال مقصود ہے۔ وطن کی محبت نے مجبور کیا ہے کہ میں اہل وطن کو قادیانیوں کی خوفناک سازش سے آگاہ کر دوں جو دیمک کی طرح تمام اداروں کو چاٹ رہے ہیں۔ پاکستان کے ایٹمی ادارے ان کی دستبرد سے محفوظ نہیں رہے۔ کہوٹہ ریسرچ سنٹر ایک ایسا ادارہ ہے' جو محض ڈاکٹر قدیر خان کی شدید

حب الوطنی اور والہانہ محبت کی وجہ سے ان یہودی گماشتوں سے بچا ہوا ہے' اگرچہ مردے کھانے والی کرگس کی طرح قادیانی اس رفیع الشان ادارے کے گرد بھی چکر لگا رہے ہیں۔ قدیر خان قوم کی متاع حیات ہیں' ان کی حفاظت کیجئے کہ وہ قوم کی زندگی ہیں۔

میں' صدر پاکستان سے وطن کے نام پر اپیل کرتا ہوں کہ وہ اپنی پہلی فرصت میں اصلاح احوال کی طرف توجہ دیں۔ وطن کی مٹی ان سے اپنا قرض طلب کرتی ہے' یہ قرض جتنی جلدی بے باک ہو' اتنا ہی اچھا ہے۔